بعونِ اللہِ تعالےٰ

ہمارا طرز حکومت

ایک

دلچسپ مضمون

مصنفہ مولوی سید محمد صاحب

باہتمام منشی بشیر الدین پرنٹر

تجارتی پریس میرٹھ میں طبع ہوا

حامداً و مصلیاً

مسلمانوں کے قومی ارگن **البشیر** کے معزز و فخر قوم نامہ نگار مولوی **سید محمد** صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے مضامین کی نسبت یہ بتلانے کی ضرورت نہین کہ وہ کس درجہ اور کس پایہ کے ہوتی ہیں۔

زوصف ناتمام ما جمال یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خطّ چہ حاجت روی زیبا را

اِن تمام نادر مضامین کے بصورت کتابی شائع کرنیکا خیال سب سے پہلے راقم الحروف کے دل مین پیدا ہوا تھا جسکی اجازت غایت عنایت اور انتہائے محبّت سے فدائے قوم و خادم اسلام مولوی **محمد بشیر الدین** صاحب مالک و ایڈیٹر البشیر عطا فرما چکے ہین۔ مگر بعض ناگزیر موانع سے یہ دیرینہ آرزو تاحال پوری نہین ہوئی۔ تاہم میرے احباب کو مایوس نہین ہونا چاہیئے کیونکہ مین نے اِن تمام مضامین کو ترتیب دے لیا ہے اور منظور خدا ہے تو جلد تر یہ مجموعہ چند رسالون کی صورت مین مدون اور **سید المضامین** کے نام سے موسوم ہوکر قوم کی خدمت مین پہونچ جائیگا۔ فی الحال مولوی صاحب ممدوح کا ایک بسیط مضمون جو ابھی تک کسی اخبار مین شائع نہین ہوا تھا۔ ناظرین کی تفنن طبع کے خیال سے ایک مختصر پمفلٹ کی صورت مین شائع کرتا ہون۔ مین نے ایک دوست کے توسّط سے اسکے لئے مولوی صاحب ممدوح سے جبکہ جناب ممدوح محمڈن کانفرنس آگرہ کی شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ درخواست کی تھی۔ تخمیناً ۲½ ماہ انتظار کے بعد یہ مضمون بنارس سے آیا ہے جسکے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ہے۔

از بنارس نروم معبد عام است اینجا
ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است اینجا

اِس سے ظاہر ہے کہ ابھی مولوی صاحب ممدوح دیر تک اٹاوہ نہ آئینگے۔ مگر یہ دوری **سید المضامین** کی اشاعت مین مخل نہ ہوگے۔ اگر ممکن ہوا تو بنارس ہی کاپیان نظر ثانی کے لئے بھیجدی جائینگی۔ بہر حال اگر ناظرین نے اشتیاق ظاہر کیا تو **سید المضامین** کا شائع ہونا اب چند دن کی بات ہے۔ والسلام والاکرام

المشتہر خاکسار

مرتاض حسین رسالک۔ نوگزماسٹر ہیڈ ماسٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا طرزِ حکومت

عنوان بالا سے علامہ شبلی کی ایک دلچسپ و موزون نظم۔ الہلال کلکتہ میں شائع ہوئی ہے جو نقل درنقل ہوتی ہوئی ہم تک پہونچی۔ علامہ ممدوح حزب الاحرار کے اُن چند چیدہ و برگزیدہ اراکین میں سے ہیں جو حرّیت و آزادی کی آڑ میں قوم کو احمق بنا کر اپنی ناشایستہ اغراض کو عملی جامہ پہنانا نہیں چاہتے۔ اور لیڈروں۔ خان بہادروں۔ خطاب یافتوں۔ آنریبلوں کو گالیاں دیکر خود کو ہی خواہ قوم ثابت کرنا۔ جن کا شیوہ نہیں بس جناب موصوف جو کچھ لکھتے ہیں۔ وہ دردِ دل سے لکھتے ہیں اور اسی وجہ سے اُن کے اکثر تحریریں عامۃ الناس کے دلوں میں گھر کر لیتی ہیں۔ علامۂ ممدوح یہ نظم غالبًا تحریر نہ فرماتے اگر بعض برادرانِ وطن کی مصنوعی گریہ وزاری۔ نمایشی بیچینی و بیقراری۔ اور گمراہ کن فریاد و فغاں حدِ ضرورت سے نہ گذر جاتی۔ نظم مذکور اپنی خود بہترین

شارح ہے اِسلئے بلا کسی طویل ریمارک کے ہم اسکو درج کئے دیتے ہیں۔

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی' ان ممالک پر
قرابت راجگانِ ہند سے (اکبر) نے جب چاہی
تو خود فرمانده (جے پور) نے نسبت کی خواہش کی
ولی عہدِ حکومت اور خود شاہنشہ اکبر
اُدھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی
دلہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
دلہن کی پالکی خود اپنے کاندھوں پر جو لائے تھے
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی

مگر وہ حکمرانی' جس کا سکہ جان و دل پر تھا
کہ یہ رشتہ عروسِ کشور آرائی کا زیور تھا
اگرچہ آپ بھی وہ صاحبِ دیہیم و افسر تھا
گئے انبیر تک' جو تخت گاہ ملک و کشور تھا
اِدھر شہزادے پر چترِ عروسی سایہ گستر تھا
کہ کوسوں تک زمین پر فرش دیبائے مشجر تھا
وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ "وہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا، ستمگر تھا!!"

اگر ہماری دوستوں کو اس داستان کا صرف اسی قدر حصہ یاد ہوتا کہ وہ اورنگ زیب غازی کے اصلی و فرضی مظالم کا رونا رو کر اپنا دل ہلکا کر لیا کرتے تو اس کا زیادہ شکوہ نہ تھا۔ مگر وہاں تو غوری و غزنوی' تغلق و خلجی غلام و سید و مغل و افغان بلا کسی استثنار کے غاصب و غدار۔ مکار و عیار ظالم و مردم آزار قرار دئے گئے ہیں۔ خالص تاتاری مغل جو آریں قوم کی ایک شاخ بتلائی جاتے تھے وہ بھی۔ اور راجپوتی مغل جو ہندو مہاراجاوں کی قرابت و مصاہرت سے پیدا ہوئے تھے وہ بھی بلا کسی تمیز و تفریق کی یکساں واجب الحذر سمجھے گئے ہیں۔ بابر و ہمایوں تاتاری مغلوں اور شاہ جہاں و شاہ عالم راجپوتی مغلوں کے افعال و کردار

کو برا نمونہ دکھلانے میں ایک ہی طرح کی سعی کیجاتی ہے۔

ہم بعض تیرہ رائے خیرہ سر لوگونکی بیہودہ و لایعنی مطاعن کو اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش نہ کرینگے۔ کیونکہ دنی الطبع و تنگ نظر لوگوں کے کسی فرقہ میں کمی نہیں ہوا کرتی مگر جب پنڈت راج نراین صاحب ارمان دہلوی ایڈیٹر ارجن جیسے قابل و شریف اشخاص کا بھی یہی خیال ہو کہ مسلمانوں کا دوران حکومت ہندوستان کے لئے ایک قدرتی لعنت ایک عظیم مصیبت ایک نمونہ قیامت رہا ہے اور انہوں نے ہندو قوم اور ہندو دھرم کو پامال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تو ہمیں اپنی بدقسمتی پر آٹھ آٹھ آنسو رونا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت ممدوح ارجن کی ایک تازہ اشاعت میں تحریر فرماتے ہیں۔

> تاریخ داں اصحاب کو معلوم ہے کہ تقریباً سات سو سالہائے گذشتہ کے اندر سلطنت اسلامیہ کے زمانہ میں بھارت ورش اور اسکے باشندوں کی کیا ناگفتہ بہ حالت تھی اگرچہ بھارت ورش پر پہلے بھی محمود جیسے غارتگروں نے حملے کئے۔ لیکن یہاں سلطنت اسلامیہ کی بنیاد شہاب الدین غوری سے شروع ہوئی تھی اور اس کا خاتمہ بہادر شاہ پر ہوا تھا ان دونوں بادشاہوں کے درمیانی زمانہ میں کبھی کم اور کبھی زیادہ اور بہت زیادہ ظلم و ستم ہندوؤں پر ایسے ایسے کئے گئے تھے کہ جن کا خیال آتے ہی ایک دردبھرا اور امن پسند دل سخت بے چین ہو جاتا ہے۔ شہاب الدین کے قایم مقام یا دہلی

کے پہلے بادشاہ قطب الدین ایبک نے تاج وتخت پاتے ہی
غریب ہندوؤں پر جسقدر ظلم ڈھائے تھے اُن سے گذشتہ تواریخ کے
صفحے لبریز ہیں۔ یہی سلسلہ اُس وقت تک کم وبیش جاری رہا جب
تک کہ سلطنت اسلامیہ کا خاتمہ ہو کر با امن انگریزی حکومت کا آغاز
نہ ہو گیا۔ اس دوران میں شاہان اسلام نے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں
ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنایا۔ گویا یہ سمجھنا چاہیئے کہ قریباً سات سو سال
میں قریباً سات کروڑ ہندو مسلمان ہوئے یعنی فی صدی میں قریباً ایک
کروڑ ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی اوسط بیٹھتی ہے۔ اس حساب سے
اگر (ایشور نکرے) ہندوستان میں اسلامیہ حکومت اور دو ہزار سال
رہ جاتی تو فی صدی قریباً ایک کروڑ کے اوسط سے یہاں ایک بھی ہندو
نظر نہ آتا[2]۔ قریباً اٹھائیس کروڑ مسلمانوں کی تعداد اُن کو کب اُنکی حالت
پر رہنے دیتی۔ اسمیں شک نہیں کہ انگریزی حکومت میں بھی کچھ لوگ
مذہب عیسائی میں داخل ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ صرف ہم لوگوں کی
غفلت اور ہماری دھارمک سوسائٹیوں کی لاپرواہی کا نتیجہ ہے اگر
ہم لوگوں نے عام طور پر دھرم پرچار میں کامیابی حاصل کرنی ہوتی
تو ایسا ہرگز نہو سکتا۔ کیونکہ انگریزی حکومت میں جو لوگ عیسائی ہو رہے
ہیں وہ اپنی خوشی سے اسلامیہ حکومت کی طرح جبراً و قہراً نہیں۔ اسلامیہ
حکومت کے زمانے میں کوئی کسی کو مسلمان ہونے سے بچا نہیں سکتا
تھا کیونکہ ایسا آدمی [illegible] سے [illegible] واجب القتل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن انگریزی

[2] اور اگر [illegible] کروڑ ہندو باقی رہ بھی جاتے تو

حکمرانی میں ایک ہندو کو عیسائی ہونے سے جائز طور پر سمجھا سمجھا کر روکا
جاسکتا ہے۔ انگریزی حکومت ایسی آزادی اور امن پسندی کے باعث
دنیا بھر میں ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اسلامیہ حکومت میں ایسا ہونا قطعی
ناممکن تھا۔ اگرچہ زمانۂ حکومت اسلامیہ میں بہت سے ہندو ایسے
غیرتمند تھے کہ وہ جبراً و قہراً بھی دائرۂ اسلام میں نہ آسکے اور اُن کی
زندگیاں ہمیشہ اسی لاج کو قایم رکھنے کے لئے تلواروں کی جھنکاروں
میں گذریں وہ لوگ تمام عمر شاہانِ اسلام سے جنگ کر کے اُن کا
ناک میں دم کرتے رہے چنانچہ ایسے خونی مناظر سے میواڑ۔ کوٹہ۔
بوندی اور جیسلمیر وغیرہ کی گذشتہ تواریخ بھری ہوئی ہیں لیکن انگریزی
حکومت نے اِن تمام خونریزیوں اور غارتگریوں کا خاتمہ کر کے باامن
زمانہ کی خوشنما اور ترقی کُن بنیاد رکھی۔ گویا عہد اسلامیہ کی نسبت
عہد انگلش ایک نعمت غیرمترقبہ ہے۔ ایشور کا شکر ہے کہ ہندوستان
کے سر سے سلطنت اسلامیہ کا سایہ اُٹھ گیا۔"

خیالات بالا ایک ایسے جنٹلمین کے ہیں جو ایک تعلیم یافتہ و شریف خاندان کا ممبر
اور اپنی تعلیم و تہذیب میں بہت کچھ مسلمان اساتذہ کا شرمندۂ احسان ہے
اور جو ایک مسلمان شاعر کی نظر توجہ سے طوطی ہند کا لقب پاسکا ہے۔ پس
معمولی درجے کے عزیزان وطن کے خیالات ہم بدقسمت مسلمانوں کے بارہ میں
اگر نہایت ہی سخت ہوں تو کسی کو اس پر تعجب نہ ہوگا۔ مگر ہم اُن لوگوں کے
خیالات کی اُلجھن میں نہ پڑ کر طوطی ہند حضرت ارمان کے مجتہدانہ موشگافیوں

کی نسبت صرف اس قدر کہیں گے کہ اسلام کی حسرت آمیز ترقی کو وہ جبر وظلم
سے کیوں منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ یہ زندہ مذہب اپنی پیرووں اور متبع اشخاص
کے مردہ ہونے کے باوصف اب بھی ہندوستان میں ترقی کررہا ہے۔ مثلاً
صوبجات متحدہ میں ۱۸۸۱ء میں دس ہزار نفوس کے منجملہ ۸ ہزار ۴ سو ۴۲ ہندو
تھے ۱۹۰۱ء میں ۸ ہزار ۲ سو ۲۳ رہ گئے اور ۱۹۰۱ء میں یہ تعداد ۸ ہزار ۳۷
تک گھٹ گئے۔ گویا ان صوبجات میں ۲۰ سال کے اندر دس ہزار نفوس کے
اعتبار پر قریباً چار سو ہندو کم ہوئے۔ برخلاف اس کے مسلمان ۱۸۸۱ء میں منجملہ
دس ہزار نفوس کے ۹۴ ،۱ تھی جو اسی ۲۰ سال کے عرصہ میں باعتبار مردم شماری
سال ۱۹۰۱ء میں ۲۱۲۲ ہو گئے یعنی قریباً سوا تین سو کے زیادتی ہوئی۔ یہ بیشی
۱۸ فیصدی کے قریب ہوتی ہے۔ مگر حضرت ارمان شاید اور زیادہ متعجب
ہونگے جب وہ دیکھینگے کہ بنگال میں ۲۰ برس پیشتر مسلمان ایک کروڑ ۷۰ لاکھ
یعنی اپنے ہندو بھائیوں سے بقدر چھ لاکھ کم تھے۔ لیکن سال ۱۹۰۱ء میں اُن کی
تعداد ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ ہو کر ہنود سے ۴ ۲ لاکھ بڑھ گئی۔ یہ بیشی ۳۳ فیصدی
ہوتی ہے۔ اسکو دیکھکر ایک انصاف پرست وحق پسند کی نظر میں ہمارے
دوستوں کا وہ الزام خود بخود حرف غلط کیطرح مٹ جاتا ہے کہ اسلام ہندوستان
میں جبر وظلم سے پھیلایا گیا۔ اور قطب الدین ایبک سے لیکر بہادر شاہ تک
ہر حکمراں مجسم خونریزی بنا رہا۔ مگر خیر ہم نقشجات مردم شماری کو چھوڑ کر ایک
دوسری طرح اس مسئلہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ یعنی حضرت ارمان کو شریمان
لالہ ہنسراج جی کے لکچر پر جو گروکل بندرابن میں دیا گیا تھا متوجہ کرتے ہیں اس میں منظیم

لکچر میں شریمان جی نے فرمایا تھا۔ کہ گجرات میں اب بھی ۳۰۰ ہندو روزانہ مسلمان ہوتے ہیں۔ یہ اعداد اگر صحیح ہوں اور یہی رفتار ۲۰ صدی تک جاری رہے تو نتیجہ وہی نکل سکتا ہے تو اسلامی سلطنت قایم رہنے کی صورت میں نکلتا۔ یعنی ۲۰ کروڑ ہندو ہلال کے زیر سایہ آسکتے ہیں۔ حضرت ارماں خوش ہیں کہ ہندوستان سے اسلامی سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا اور کوئی تعجب نہیں کہ اس خوشی میں بہت سے نیک دل مہاشہ شریک ہوں۔ مگر جہاں تک ہندو مذہب کی ترقی وتنزل کا تعلق ہے۔ یہ خوشی حقیقی خوشی نہیں ہوسکتی کیونکہ ہندوؤں کے صدہا افراد مسیحت کیطرف کھنچتے ہوئے چلے جارہے ہیں اور جس خطرہ کو ہمارے دوست معمولی خطرہ سمجھکر اپنے دل کو تسلی دینا چاہتے ہیں وہ ایک سیلاب عظیم کے طرح بڑھا ہوا چلا آرہا ہے۔

ہم اپنے دعوی کو بے دلیل نہ رہنے دیں گے اور اپنے دوستوں کو بتلائینگے کہ اسوقت ہندوستان میں ۳۹ لاکھہ عیسائیوں کے منجملہ ۳۶ لاکھ دیسی عیسائی ہیں اور بلاشبہ جسکا حصہ اعظم ہندو قوم سے آیا ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق احاطہ مدراس اور ریاست ہائے ملحقہ میں ۱۵ لاکھہ دیسی عیسائی ہیں اڑیسہ میں ۲ لاکھ ۶۰ ہزار بمبئی میں ۲ لاکھ ۶۴ ہزار۔ برہما میں ۲ لاکھ ۱۰ ہزار پنجاب میں ۲ لاکھ صوبجات متحدہ میں ایک لاکھ ۸۰ ہزار۔ لیکن ان اعداد کو اگر مختلف صوبوں کے رقبوں اور آبادی کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو مدراس کے بعد پنجاب میں سب سے زیادہ عیسائیت نے نشوونما پایا ہے۔ اور اس لئے بشپ کلکتہ کا یہ خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں عیسائیت ابھی اور ترقی کریگی

ہمارے بعض پنجابی دوستوں کا دعویٰ تھا کہ آریہ سماج کی وجہ سے چونکہ ہندوؤں کا اسلام اور عیسائیت میں جانا بند ہوگیا ہے اس لئے مسلمان اور پادری بیچارے سماج کو بدنام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ مگر پنجاب میں عیسائیوں کی نسبتی ترقی نے اس دعوے کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہے۔ ۱۰ سال کی مدت میں ایک لاکھ بیس ہزار ہندوؤں کا عیسائی ہونا اور ۴۰ ہزار کا ہلالی جھنڈہ کے نیچے آنا۔ اور یہ تمام انقلاب اس حالت میں ہو جانا کہ آریہ سماج کی سعی انتہائی نقطہ پر پہنچ گئی ہے اور اسکی اکابر و اصاغر اپنی اپنی لیاقت اور طاقت کے مطابق اسلام اور اور عیسائیت کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں کیا اس امر کا پتہ نہیں دیتا کہ حضرت ارمان اور ان کے ہم خیالوں کے دل میں جو ارمان ہیں وہ غالباً پورے نہ ہو سکیں گے۔ ہمارے دوست شاید واقف نہ ہوں یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہوں مگر ہم انہیں ناواقف نہ رہنے دیں گے اور بتلائیں گے کہ سنہ ۱۹۰۱ء کے بالمقابل سنہ ۱۹۱۱ء میں عیسائی ۴۳ فیصدی بڑھے ہیں۔ اگر آئندہ ہر دس سال میں یہ رفتار ۲۵ فیصدی بھی رہی تو موجودہ صدی کے ختم پر عیسائی ۳ کروڑ ہو گئے بحالیکہ وہ مفروضہ ظلم و ستم سے کام نہیں لے رہے، اور ان کی خاموش سعی کا انکار ہمارے دوست بھی نہیں کر سکتے۔ پنجاب میں ۴۰ ہزار ہندوؤں کا اسلام قبول کرنا کیا ظلم و ستم کی داستان غلط ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ؟

تیری رسوائی کے خون شہدا ہے درپے دامن یار خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا

میں جوش تحریر میں کسیقدر آگے نکل گیا ہوں۔ مجھے یہ کہنا تھا کہ بعض مہربان صرف اورنگ زیب غازی ہی کی نسبت ستم پر بس نہیں کرتے بلکہ یہ لے اسقدر بڑھ گئی ہے

کہ ایک شریف دیوی کے جو مغلی خون کے اعتبار سے بھی آرین دیوی ہے اور راجپوتی
خون کے امتزاج و اشتراک کے خیال سے بھی آرین دیوی ہے۔ محض اس لئے بے غرتی
روا رکھی جاتی ہے کہ اسکا حمل اورنگ زیب کے گھر میں ہوا تھا۔ یعنی اُسکو سواجی
مہاراج کے ساتھ بھاگ جانے کا نہایت شد و مد سے الزام دیا جاتا ہے۔ اور یہی
بے انصافی دوسرے مغل شہزادوں کے ساتھ کیجاتی ہے کہ اُن کو ہندو سرداروں
کے عشقیہ جان نواز نہیں بلکہ عاشق جانباز بتلایا جاتا ہے۔ کاش یہ کہنے والے اتنا
خیال کر لیتے کہ اگر مغل در اصل آریوں کی ایک شاخ ہیں تو بمصداق الجنس یمیل الی
الجنس ان مغل شہزادیوں کا اپنی ہم قوموں میں ملجانا اور بھارت کے پراچین رسم کے
مطابق ان کے ساتھ برضامندی بھاگ جانا کوئی ایسی انوکھی بات نہیں جو بار بار
دوہرائی جائے اور جسکے لئے فسانے اور ناول لکھے جائیں اور جسکو سامنے رکھکر
کنایوں اور اشاروں میں مسلمانوں کو مخاطب بنایا جاوے مگر ان الزامات میں کہاں
تک صداقت ہے اور ان فسانوں میں کس درجہ اصلیت ہے اور کون مغل شہزادی
کس ہندو سردار کے ساتھ بھاگی اور کون راجپوتی خون رکھنے والی مغل امیرزادی
کس مرہٹہ سردار پر عاشق ہوئی۔ یہ ایسے امور ہیں کہ جنکا صحیح فیصلہ تاریخ دان
اصحاب ہی کر سکتے ہیں۔ اُس سلسلہ محبّت قایم ہونے کے بعد جسکا ذکر مولنٰنا
شبلی نے اپنے پاکیزہ قطعہ میں فرمایا ہے کسی مغلانی کا کسی مرہٹہ و راجپوت سردار
کے عقد تزویج میں آنا کچھ ناموزوں تو نہ تھا مگر اُس وقت کے ہندو سردار اگر کسی
وہم کی بنا پر ایسا نہیں کر سکے تو اب اُن کی اخلاف کو اس ہشت بعد از جنگ کا
استعمال کرنا زیادہ مفید معلوم نہیں ہوتا ہمارے دوستوں کا یہ کہنا کہ رانا پھتورا

(مہاراجہ سری پرتھوی راج) نے سات مرتبہ شہاب الدین غوری کو تاج سلطنت بخشا۔ یادوت کا خاندان سالہا سال عرب پر حکومت کرتا رہا یا مہاراجہ بکرماجیت نے سیزر کو میدان جنگ میں پچھاڑ کر مطیع کیا یا دار السعاوت (قسطنطنیہ) کو مدت تک آریوں کے راجدھانی (دار الصدر) ہونے کی عزت حاصل رہی۔ یہہ ایسی باتیں ہیں کہ خود سمجھدار ہندوان کو سن سن کر شرما جاتے ہیں اور اُنکی نیچی نگاہیں ان لایعنی فسانوں کے لئے گویا لبِ معذرت بنجاتے ہیں۔ خیر اس اجمال کی تفصیل کو کسی اور وقت کے لیئے چھوڑ کر ہم اپنے دوستوں سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اپنی طرز حکومت کو تمام عیوب و نقائص سے پاک نہیں سمجھتے نہ اورنگ زیب و اکبر و دیگر شاہان اسلام کو منزہ من الخطا جانتے ہیں۔ مگر ہمارا یہہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ راون کنس و جرجودھن وغیرہ نے جو مظالم کئے اُن کا نمونہ دوسری جگہہ نہیں ملسکتا جرجودھن کا سر دربار اپنی بھاوج کرشنا (مہارانی درپدی) کی ساڑھی اوتار دینے کا حکم دینا اور ایک شریف دیوی کو جلسہ عام میں برہنہ کرانے کی کوشش کرنا ایسا شرمناک و درد انگیز واقعہ ہے جنکی نظیر کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہ ملیگی۔ مہاراجہ جدسٹر اور شہزادہ دھننجے (ارجن) نکل و سہدیو و بھیم کی موجودگی کا اگر جرجودھن کو خیال نہ تھا تو واجب التعظیم بھیشم پتامہ۔ اور قابل التکریم درونا چارج کے وقار و بزرگی کا ضرور پاس ہونا چاہیئے تھا ہندو اتھاس (تاریخ) کے پریشان اوراق گو آوین قوم کی طرز حکومت کا کافی آئینہ نہیں۔ مگر اس تصویر کے نفیس و باریک نقوش نہ سہی اُبھرے ہوئے خد و خال ہی یہ بتلا دینے کے لیئے کافی ہیں کہ جس بت جادو نگاہ کی حُسن دلکو سوز و ستانہ ادا و عشوہ جان نواز

چوں بازکنی مادر مادر باشد سے زیادہ وقعت دینے کے قابل نہیں۔

مگر ہم اس پر بھی زیادہ معترض نہیں ہوتے۔ ہر قوم کو اختیار ہے کہ اپنی اصلی تاریخ پر ناز کرے یا اپنی مصلحتوں کو پیش نظر رکھکر جدید تاریخ کی وضع و تصنیف میں مجتہدانہ قابلیت دکھلائے۔ مگر ہمارے بعض دوستوں کو اس درجہ تنگ نظر نہ ہو جانا چاہیئے کہ وہ اقوام معاصر کی خوشحالی و بہبود کو نہ دیکھ سکیں اور ہمسایوں کے رنج و تکلیف میں راحت محسوس کریں بطور مثال چند سال کے واقعات کو دیکھ لینا چاہیئے ایران کی تباہی مراکو کی بربادی۔ طرابلس کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا۔ بلقان میں ان کے خون کی ندیاں بہنا۔ کوئی بھی ایسا امر نہ تھا۔ جن پر عزیزان وطن اظہار مسرت کریں۔ مگر یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ بعض مہربانوں نے تسلی و دلداری کے عوض انکے زخم جگر پر نمک چھڑکنے کو بہتر سمجھا۔ اور اسلامی گھروں میں صف ماتم۔ ترکی تمام شد۔ فرضی پولیٹکل اہمیت پر ایک اور ضرب۔ وغیرہ عنوان قایم کرکے مصیبت زدہ مسلمانوں کو اپنی ہمسایہ نوازی کا ثبوت دیا مسافر آگرہ اور اوس جیسی ٹاٹپ کے اور آریہ ارگن جس بیباکی اور بے حجابی اپنے جوہر تحریر دکھلا چکے ہیں۔ ہم اُسکو لکھکر ناظرین کو پریشان نہ کریں گے۔ مگر لالہ دینا ناتھ جی (سابق ایڈیٹر اخبار ہندوستان و حال ایڈیٹر اخبار ویش و ہماکہ) نے اس بارہ میں اپنے غریب ہمسایہ کے زخم دل پر جو مرہم رکھا ہے۔ اسکے صرف دو نمونہ ذیل میں دکھلائیں گے۔

سلطنتِ ایران حالتِ نزع میں

"اخبار ٹائمز کا نامہ نگار طہران سے لکھتا ہے کہ ایران کی حالت نہایت یاس انگیز ہے۔ نائب السلطنت درحقیقت اپنے عہدہ سے دست بردار ہو کر یورپ گیا ہے۔ تمام ملک پر پریشانی اور بدامنی کے بادل چھائے ہوے ہیں۔ پارلیمنٹ اور اُس کے وزیر بے بس ہیں اور بختیاری اور کاشغی قبائل کی باہمی رقابت ملک کی بدحالی کی سیاہی کو اور بھی چمکا رہی ہے۔ یہ خیال کہ ایرانی حکومت جنوبی ایران میں امن قائم رکھ سکیگی دن بدن خام ثابت ہو رہا ہے۔ انگلستان نے ایران کو اپنا اندرونی انتظام ٹھیک کرنے کے متعلق جو فہمایشی پیغام بھیجا تھا۔ اسے عرصہ گذر چکا لیکن نتیجہ کے لحاظ سے ہنوز روز اول ہے۔ غرض سلطنت ایران کی زندگی کا جام لبریز نظر آتا ہے۔ یہ رائے ہے جو ٹائمز کے نامہ نگار نے ظاہر کی ہے۔ اس کے معنی ہندو نقطہ خیال سے یہ ہیں کہ ہندوستانی مسلمان ہم ہندوں پر رعب ڈالنے اور گورنمنٹ سے مزید حقوق و رعایات مانگنے کیلئے اپنی پولیٹکل اہمیت کے جس فرضی پتلے کا ذکر ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ عنقریب اسکی ایک ٹانگ ٹوٹا چاہتی ہے۔"

ایک اور اسلامی سلطنت کا خاتمہ

"جب سے مسلمانان ہند نے اپنی فرضی پولیٹکل اہمیت کی ڈینگ مارنی شروع کی ہے۔ اور اس اہمیت کی بنا موجودہ اسلامی سلطنتوں کو قرار دیا ہے۔ خدا کی شان ہے کہ تب ہی سے اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ ہونے

لگا ہے۔ سلطنت ایران حالتِ نزع میں ہے۔ طرابلس کو اٹلی نے ہڑپ کرلیا جس سے سلطنت عثمانیہ کے رعب پر سخت چوٹ پہنچی۔ اب آخری خبر یہ ہے کہ سلطنت مراکو بھی یوروپین حکمت عملی کی نذر ہوگئی ہے۔ کیفیت یوں ہے کہ کچھ عرصہ سے ہسپانیہ اور فرانس نے سمجھوتہ کرکے سلطان مراکو کے اختیارات محدود کردئے تھے اس عذر پر کہ وہ اپنے ملک میں امن وامان قائم نہیں رکھ سکتا۔ اب سلطان کو تخت ہی سے اُتار دیا گیا ہے اور اسے فرانس کے شہر مارسلز کو ایک جہاز میں سوار کرکے بھیجدیا گیا ہے۔ انگریزی جہاز میں اُسے اس خیال روانہ کیا گیا کہ وہ فرانس کا نظر بند یا قیدی معلوم نہ ہو سلطان کے حرم طنجیر میں آگئے ہیں۔ اب اس اسلامی اقبال کے کھنڈر کو ۱۵ ہزار پونڈ سالانہ پنشن ملا کرے گی۔ غرض سمجھ لینا چاہئے کہ مراکو میں مسلمانوں کی حکومت ہمیشہ کے لئے مٹ چکی"۔

(ملاحظہ ہو اخبار ہندوستان لاہور مطبوعہ ۶ و ۲۳ اگست ۱۹۱۲ء)

لالہ دینا ناتھ جی نے۔ ہندو نقطہ خیال سے جو داد قابلیت دی ہے اسکے تبصرہ و تنقید کی ضرورت نہیں۔ صرف سوال ہے تو یہ ہے کہ خود لالہ صاحب یا اُن کے بزرگوں نے کونسا پولیٹکل ہمیت کا دعوی کیا تھا جو دنیا کے تمام حصص سے وہ مغلوب و منہدم ہو کر ہندوستان میں محدود ہوگئے اور یہاں بھی زمانہ کے لکد کوب اور بیرونی حملہ آوروں کے چیرہ دستی سے محفوظ نہ رہ سکے صرف مسلمان ہی نہیں مٹے۔ یہودی۔ پارسی ہندو۔ قوطی۔ قبطی وغیرہ کو بس (لمن الملک) بجا کر دوسروں کی بھی جگہہ خالی کرچکی ہیں مسلمانوں کا زوال (فرضی پولیٹکل اہمیت کی ڈینگ مارنے) کی بعد سے شروع

نہیں ہوا بلکہ اس زوال کا تخم کئی صدی ہوئے بویا گیا تھا۔ جواب ایک تناور درخت بن چکا ہے اور ٹوٹے پھوٹے دو چار برائے نام۔ اسلامی سلطنتیں جو رہگئی ہیں اُنکے بھی زیادہ دن رہنے کی امید نہیں۔ مگر اس زوال پر خوشی کیوں اور مسرت کس لئے۔ جبکہ مسلمانوں سے زیادہ زبردست قومیں نکبت و ادبار کا شکار ہوچکی ہیں۔ اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ روس کا جاپان کے ہاتھ سے شکست کھانا کیوبا اور جزائر فلپائن کا اسپین کے قبضہ سے نکل جانا۔ کیا کسی پولیٹیکل اہمیت کے دعوی کے عوض میں سزا اثر ہوا ہے۔ شاہ یونان کا مارا جانا۔ سلطان عبد الحمید کا محبوس بلا۔ اور شاہ پرتگال و ایران کا معزول ہونا اور اسی قسم کے واقعات متواتر و مسلسل ہوتے رہنا۔ بتلا رہا ہے کہ اس کارخانہ عالم کا انتظام کسی اور پاک ہستی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جو تلک الایام نداولہا بین الناس ارشاد فرمانے کا استحقاق رکھتی ہے اور جسکی مصلحت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔

سب سے زیادہ قابل عبرت خود ہمارے وطن آریہ ورت کی داستان ہے جس کا تمدن جسکا مذہب جسکا اخلاق سب سے قدیم و عظیم تھا۔ لیکن آج وہی تمدن پارہ پارہ وہی مذہب بگڑنے اور فنا ہونے کے نشانات ظاہر کر رہا ہے۔ وہی اخلاق اسقدر پست ہوگیا ہے کہ غریب ہمسایوں کی تکلیف پر اظہار مسرت سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ مہاتما بدھ کو قریباً ۲ ½ ہزار برس ہوئے ہیں اور حضرت مسیح کو دو ہزار برس بھی نہیں ہوئے۔ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کا زمانہ تو کل کا زمانہ ہے مگر اس وقت ۵۰ کروڑ بدھ ۴۰ کروڑ عیسائی ۲۵ کروڑ مسلمان روئے زمین پر موجود ہیں۔ اُنکے بالمقابل آریہ ورت کی قدیم دھرم کے متبعین کو دیکھو

اور حساب لگا کر بتلاؤ کہ یہ مذہب اگر فنا کی طرف تیزی سے قدم بڑھائے ہوئے نہ چلتا ہوتا تو ویدک دہرم کے جھنڈے کے نیچے آج کس قدر ہندوں کا ہونا چاہیئے تھا۔ اسی طرح پولیٹکل اقتدار پر نظر کرو۔ جاپان۔ چین۔ آسام میں بدھوں کا پرچم لہرا رہا ہے۔ یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ ہر برّاعظم میں عیسائیوں کا تسلط ہے مسلمانوں کی ٹوٹی پھوٹی چند آزاد سلطنتیں اور ریاستیں بھی کہیں کہیں موجود ہیں مگر ویدک دہرم کے پیرو۔ پارسیوں اور یہودیوں کی طرح خلافت ارض کا استحقاق زایل کر چکی ہیں۔ پرتگال و بلجم جیسی کوئی چھوٹی سے چھوٹی سلطنت بھی اُن کے قبضہ میں نہیں۔ غالباً اِن چند سطور کا مطالعہ لالہ دینا ناتھ جی اور اُن کے ہم خیالوں کو بتلاویگا کہ وہ صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر رہے ہیں اور فرضی پولیٹکل اہمیت کے پتلے کی ایک اور ٹانگ کا ٹوٹ جانا اُن کے اقتدار و اعتبار کی ہیکل عظیم کی عظام رمیم میں جان نہیں ڈال سکا۔ اب ہم پھر علامہ شبلی کی بے نظیر نظم پر متوجہ ہوتے ہیں اسکی خوبی و لطافت میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر انکا اختصار و ایجاز پسند نہیں کیا گیا کیونکہ بہت سے واقعات بھی جو اس سلسلہ میں آسکتے تھے۔ شاید علامہ ممدوح کو سیرت نبوی کی تدوین و تالیف سے فرصت نہیں ملی۔ اسلئے ہم نیابتاً اس فرض کو ادا کرتے ہیں اور اسکے آخری شعر کے ساتھ یہ جوڑ ملاتے ہیں۔ نظم

انھیں تاریخ کا کیا صرف یہ حصہ ہی ازبر تھا	کہ عالمگیر ہندوکش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا
جو اتنی ہی شکایت ہو، تو کیا اسکی شکایت ہو	مگر یاروں کے دل میں تو نہاں شکوؤں کا دفتر تھا
وہ سب و شتم لعن و طعن میں تخصیص کیوں کرتے	کہ اُن کی رائے میں تو غوری و تغلق برابر تھا
وہاں تو غارت و سفاک و بھارت سوز ہیں سارے	وہ قطب الدین ایبک تھا ہمایوں تھا کہ بابر تھا

وہاں تو ظالم و پیماں شکن، دونوں مساوی ہیں	وہ محمودِ جری تھا، یا جلال الدین اکبر تھا
علاؤالدین نے لوٹا، محی الدین نے مارا	اسی کا کوبکو غل تھا، اسی کا شور گھر گھر تھا
قیامت ہے کہ رہزن آج وہ بتلائے جاتے ہیں	کہ کل چترِ حکومت جن کے سر پر سایہ گستر تھا

مغل جو آریوں کی شاخ خود ٹھہرائے جاتے تھے	کبھی جن کا نہ کوئی دہر میں انباز و ہمسر تھا
عزیزانِ وطن کی آنکھ میں، ہر فرد اب اُن کا	جفاجو تھا، وفا دشمن تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا
خدا کی شان وہ مردود ہے، پاپی ہے، ڈاکو ہے	جو منعم تھا، مربّی تھا، ولی تھا، بندہ پرور تھا
اُسی کی نورِ دیدہ پر ہے اب بوچھار طعنوں کی	جو اَن داتا تھا، مالک، مہاراجہ تھا، افسر تھا
بھگاتے ہیں اُسی کو دوست اب پرتاب کے آگے	جو ہلدی گھاٹ میں شیرِ ژیاں تھا، سور تھا، نر تھا
وہ کائر ہے، وہ بزدل ہے، وہ غاصب ہے، وہ جھوٹا ہے	جو ستھ بانی تھا، ستھ وادی تھا، ستھ کاری تھا، صفدر تھا
صلہ ہے یہ وفاداری کا، طعنوں سے نہیں بچتا	وہ ٹوڈرمل بھی، جو خود آرین جاتی کا زیور تھا
جو کل بھوشن تھا کل تک، اور زینتِ ملک و ملت کی	وہی اب دشمنِ بھارت، وہی بدخواہ کشور تھا

برازو بول سے کم قدر، وہ عطرِ محبت ہے	مشامِ جانِ یارانِ وطن، جس سے معطر تھا
گئے وہ دن، کہ اپنی قدر و قیمت تھی عزیزوں میں	بدیسی لاکھ تھا مسلم، مگر ملکی برادر تھا
گئے وہ دن، کہ جب تسکین تھی کچھ قلبِ مضطر کو	گئے وہ دن، کہ جب آرامِ جاں ہم کو میسر تھا
گئے وہ دن، کہ جب ہم موردِ لطفِ الٰہی تھے	ہمارا کوکبِ اقبال، چرخِ ہفتمیں پر تھا
گھٹائیں، نکبت و ادبار کی، ہم پر نہ چھائی تھی	نہ یوں تقدیر اوندھی تھی، نہ یوں واژوں مقدر تھا
ہمارے دم سے بزمِ عالمِ امکان کی رونق تھی	ہمارے فیض سے، ہر گوشۂ دنیا منور تھا
حریفوں کے قدم میداں سے دم بھر میں اُکھاڑ دینا	اسے کافی ہمارا نعرۂ اللہ اکبر تھا
ہماری ہیبتِ شاہنشہی، چھائی تھی دنیا پر	زمانے میں کوئی اپنا مقابل تھا نہ ہمسر تھا

کائر: بمعنی نامرد ۱۲

ہمارے نام کا ڈنکہ کبھی بجتا تھا عالم میں — ہماری قوم کا سکہ کبھی بیٹھا دلوں پر تھا
مقابل اسکے کیوں منجدھار میں دشمن نہ رہ جاتا — کہ مسلم بحرِ مزاجِ شجاعت کا شناور تھا
مٹایا ہم کو پاکر صاحبِ جاہ و حشم آخر — ہماری گھات میں مدت سے چرخِ کینہ پرور تھا

لبِ مسلم نہ تھے یوں آشنائے شکوۂ گردوں — کہ ہر فقرہ زبانِ بجارت رافت و الفت کا خوگر تھا
اب اُن کی برشِ تیغِ زباں کا حال مت پوچھو — کہ اس کا وار پیہم جان پر، دل پر، جگر پر تھا
کرے کیا وصف کوئی اُنکی تقریرِ پریشاں کا — کہ اک اک لفظ جس کا، روشِ شمشیر و خنجر تھا
کھینچے کس طرح، اُس کی تلخیِ تحریر کا نقشہ — کہ فقرہ فقرہ جس کا، تیر تھا، دشنہ تھا، نشتر تھا
کبھی کہتے ہیں، بخشا تاج غوری کو، پتھورا نے — کبھی کہتے ہیں، دت کا خانداں، حاکم عرب پر تھا
اُدھر سیزر کو، بکرم نے پچھاڑا، جا کے روما میں — اِدھر دار السعادت، آرین سطوت کا مظہر تھا
کبھی مصر و عراق و شام تک دھاوا میں فوجوں کے — کبھی مفتوح بابل تھا، کبھی ایراں مسخر تھا
یہ وہ کذبِ جلی ہے، صدق رتی بھر نہیں جسمیں — وہ چادر زور کی ہے، جسکا اک اک تار ابتر تھا
تراشے ہیں، یہ لایعنی فسانے جس مہاشے نے — خدا جانے، وہ موجد تھا، مورخ تھا، کہ اسمر تھا
یہ ناول ہے، کہ فکشن ہے، یہ گپ ہے، یا کہانی ہے — بتانا اسکو تاریخ و سیر، دھوکا سراسر تھا

اسی پر بس نہیں ہے، بعض تو اس درجہ ناخوش ہیں — کہ اُنکی جان کو پیکِ اجل، نامِ پیمبر تھا
یہ انکے واسطے اک سخت آفت ہے کہ بھارت میں — علی الاعلان کیوں ذکرِ رسولِ پاک و اطہر تھا
وہ کانوں میں ہے انکے بوق کی آواز سے بدتر — جو خطبہ لطفِ حق سے زینتِ محراب و منبر تھا
جو تھا بدخواہ مسلم، تھا وہی روحِ رواں اُس کا — وہ سرومی تھا، کہ یونانی، وہ رشین تھا، کہ بلغر تھا
مصیبت کی گھٹا چھائی، جو ایران و مراکو پر — تو جوشِ شادمانی، ان عزیزوں میں سراسر تھا
شکستیں کھا رہے تھے ترک جب میدانِ بلقاں میں — تو وہ اکثر مہاشوں کی نظر میں وقتِ خوش تر تھا

مگر قبضہ اور نہ پھر کیا جسوقت ترکی نے
تو یہہ ان کے لئے وجہ تعب اللہ اکبر تھا

نہ ہمسایوں کے رنج و غم کا ہو جس پر اثر مطلق
وہ دل اک پارۂ آہن تھا، یا اک سنگِ احمر تھا

کبھی میں نے اگر پوچھا یہ بھارت کے سپوتوں سے
کہ مجھسے باوفا سے کیوں تمہارا دل مکدر تھا

غضب آلودہ چیں بر جبیں ہو کر یہ فرمایا
کہ تو فتنہ پسند و صلح دشمن، کینہ پرور تھا

ترے آنے سے آئیں آفتیں اس پاک بھومی پر
وجودِ شوم تیرا در حقیقت ننگِ کشور تھا

اِدھر ہے کنس، اُدھر راون، تو پھر کس مُنہ سے کہتے ہیں
کہ عالم گیر سنہدو کش تھا، اور اکبر ستمگر تھا

مہا بھارت کے فتنے پر نہیں کچھ غور یاروں کو
کہ جب بھارت میں طوفان بلا تھا، شور تھا، شر تھا

سیودھن[1] کا زمانہ، اپنی سختی و تشدد میں
قیامت خیز تھا، طوفاں نما تھا، حشر آور تھا

کرشنا[2] پر تعدی ہو رہی تھی عین مجلس میں
درونا چپ تھی، بھیشم دم بخود تھے، بھیم ششدر تھا

نکل، سہدیو، دونوں کانپتے تھے فرطِ غیرت سے
اِدھر خاموش ارجن تھا، اُدھر حیران یدہشتر تھا

مہارانی کی ساری پر، جو ڈالا ہاتھ ظالم نے
بلا انگیز حالت تھی، قیامت خیز منظر تھا

بجز کوروں کے جو سب موردِ قہر الٰہی تھے
شریکِ مجلسِ شاہی ہر اک با دیدۂ تر تھا

سیودھن[4] کو، جو حصہ کچھ بھی ملتا، عقل و دانش سے
نہ تڑپاتا دھنجے کو، کہ وہ اس کا برادر تھا

غرض ہوتے ہوئے اِن واقعاتِ روح فرسا کے
وہ موکھ آئیں گے منھ کو (ارجن ۱۲) کہ کس عاقل کو باور تھا

مگر کیسے مغل، خلجی کہاں کے، چیز کیا تغلق
جو مسلم تھا، وہ انکی رائے میں عالم سے بدتر تھا

سدا کھٹکا ہے، اور کھٹکے گا، یاروں کی نگاہوں میں
وہ شبلی تھا، کہ حالی تھا، وہ محسن تھا، کہ اکبر تھا

سرِ محفل نگاہ لطف، یوں اغیار کی جانب
خیالِ عاشقِ ناشاد بھی کچھ او ستمگر تھا

نشاں جنازۂ لیلیٰ کا ملتا قیس کو کیوں کر
کہ دشتِ نجد میں کوئی نہ یاور تھا نہ رہبر تھا

ذرا بڑھ کر تو دیکھو حضرتِ موسیٰ یہ کیا گذری
اِدھر برقِ تجلی تھی اُدھر وہ ماہ پیکر تھا

[1] جرجودھن [2] مہارانی دروپدی ۱۲
[4] جرجودھن ۱۲

اب اسمیں سرد مہری فلک سے خاک اُڑتی ہے　　وہ دل جو گرمیٔ عشقِ بتاں سے رشکِ مجمر تھا

مجھے کیا خوف ہوتا التہابِ نارِ دوزخ سے　　کہیں ان کی نگاہِ کرم کا مدت سے خوگر تھا

اُٹھائیگا کوئی کڑیاں نہ بعلاوت کے سبو تونکی　　یہ میرا دل، یہ میرا ہی جگر، اے بندہ پرور تھا

مٹا کر مجکو اتنے خوش جو یارانِ طریقت ہیں　　مگر میں نقطِ بیجا تھا، حرفِ مکرر تھا

مجھے پھر شیشۂ ساعت بنایا کیوں نہ ملنے نے　　کہ میں گردِ ملال و رنج سے خود ہی مکدر تھا

ہجومِ ضعف سے فرصت ملے کب سر اٹھانیکی　　مرا سر وقفِ بالش تھا، مرا تن نذرِ بستر تھا

وہ کرتے پرسشِ دردِ نہاں قسمت تھی کب ایسی　　نگاہِ لطف فرماتے کہاں ایسا مقدر تھا

کہا جب میں نے آوارہ پھرایا آپ نے برسوں　　تو فرمانے لگے یہ بھی تری قسمت کا چکر تھا

کہا جب سنگِ راہِ کامیابی غیر تھا میرا　　کہا شکوہ کسی کا کیا ترا واژوں مقدر تھا

کہا جب مار ڈالا ہجر نے تو ہنس کے فرمایا　　نہ ٹلنا وصل میں بھی دن اجل کا جو مقرر تھا

کہا ان سے نہ کچھ بیمارِ الفت نے دمِ آخر　　مگر اتنا اس آنے سے نہ آتے تم تو بہتر تھا

شکستہ رہ گزر میں دیکھ کر اک کاسۂ سر کو　　کہا میں نے عجب یہ کوئی برگشتہ مقدر تھا

وہ بولا اب تو ہاں بدبخت ہوں اے بیخبر لیکن　　کبھی رشک ایک عالم کو مری خوش قسمتی پر تھا

مری بزمِ طرب دنیا میں جنت کا نمونہ تھی　　تمنا جس کی ہو سکتی ہے وہ ساماں میسر تھا

خدا کی شان ہے، اسطرح وقفِ پائمالی ہے　　وہ سر ہر دم جو محوِ تکیۂ زانوئے دلبر تھا

کبھی تو رحم کرنا تھا مری حالت پر اے بھارت　　کہ میں مغموم تھا مہموم تھا، بیکس تھا، بے پر تھا

عرب سے دور ترکی سے جدا، فارس سے آوارہ　　مسافر تھا، حزین و زار تھا، مجبور و مضطر تھا

ارادہ سست ہمت پست، جی چھوٹا ہوا بالکل　　نہ میرے تن میں طاقت تھی، نہ میرے ہاتھ میں زر تھا

نہ وہ اپنا ہوا جسکے لیے چھوڑا وطن میں نے　　عجب تقدیر تھی میری، عجب میرا مقدر تھا

زبوں وزار حالت ہے مری پردیس میں آکر
عرب میں ورنہ تھا جب تک، مرا اقبال یاور تھا

ہوس کیوں جامِ جم کی مجکو ہوتی آکے بھارت میں
کہیں سرمستِ صہبائے ولائے سیدِ کوثر تھا

شکایت کچھ جو کی میں نے، تو یوں طعنے دئے ہمدم
زباں بس میں نہ تھی، دل بھی مری قابو سے باہر تھا

بتاؤں کیا تجھے، جو ہند میں اسلام پر گذری
یہاں اُس کیلئے، ہر گام پر سامانِ محشر تھا

خزف جیسی یہیں آکر ہوئی ہے قدر گوہر کی
اسی جا کرمکِ شب تاب سے کم ماہ انور تھا

یہیں ابرِ سیہ چھایا ہے اُس مہرِ درخشاں پر
کہ روم و مصر و ایران و عرب، جس سے منور تھا

یہ وہ گلزار ہے جسمیں نہیں کچھ وقعتِ بلبل
یہ وہ گلشن ہے جسمیں خار سے بدتر گلِ تر تھا

یہیں توڑا گیا وہ پھول جسمیں بوئے الفت تھی
یہیں کاٹا گیا ہے وہ شجر جو بارآور تھا

گہر افشانیاں کیونکر نہ کرتا خامۂ سیّد
تصوّر میں دمِ تحریر شبلی سخنور تھا

جنتری دوامی
طلوع صبح صادق و غروب آفتاب بر آں ممالک واقعہ برّ اعظم ایشیا و قسطنطنیہ وغیرہ جو کہ ماہ
صیام میں بالخصوص اور دیگر ایام میں گھڑی و گھنٹہ کو درست اور ٹھیک رکھنے کیلئے بالعموم
نہایت ہی کارآمد و مفید ہے یعنی مفصلہ ذیل ٦٣ تریسٹھ عدد دیار و امصار اور نیز انکے
قرب و جوار اور متعلقہ قصبات و دیہات کیلئے ایک نایاب تحفہ ہے۔ گویا ایک دریا ناپید اکنار کو
کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے مرتبہ منشی مرتاض حسین ابن منشی محمد مہدی حسین صاحب تحصیلدار پنشنر
ملنے کا پتہ میرٹھ شہر
نوگزہ اسٹریٹ
قیمت روسا و عظام سے ۔ امرا سے ۔ دیگر شائقین سے بخیال استفادہ عام صرف ۔ المشتہر مرتاض حسین ۔ سا لمک ۔
مکہ معظمہ
مدینہ طیبہ
قسطنطنیہ
مصر
بغداد
عدن
بصرہ
شیراز
بخارا
کراچی بندر
حیدرآباد سندھ
کابل
ملتان
بمبئی
لاہور
اجمیر
امرتسر
جے پور
انبالہ
بھوپال
حیدرآباد دکن
پٹنہ
مرشد آباد
کلکتہ
ڈھاکہ
چٹ گام
رنگون
مدراس
بنارس
مرزاپور
الہ آباد
بہرائچ
ہردوئی
فیض آباد
لکھنؤ
فتح پور
کانپور
باندا
ہمیرپور
قنوج
جبل پور
کالپی
علیگڈھ
متھرا
آگرہ
اٹاوہ
بانس بریلی
نینی تال
فرخ آباد
میرٹھ
بلند شہر
مظفر نگر
سہارنپور
دہلی
بجنور
مرادآباد
روہتک
ہانسی
حصار
کرنال
سرسہ
ریاست رامپور
ریاست دوجانہ

اکسیر الحیات

مبہی۔ مشتہی۔ مقوی اعضاء رئیسہ۔ نیز رقت۔ سرعت۔ جریان۔ کثرت احتلام۔ و تاریکی چشم و بیرونقی چہرہ و اختلاج قلب کو نہایت ہی مفید ہے۔ صرف چند ہی روز کے کھانے سے طبیعت مین خوشی و فرحت پیدا ہو کر بیّن مفاد محسوس ہوتا ہے قیمت فی شیشی مکمل دو روپیہ عہ علاوہ محصولڈاک و بکس

تمام فرمائشات کی تعمیل بذریعہ نقد یا بایا جازت وی پی کیجائیگی۔

نوٹ نمبر ۱۔ اگر کوئی صاحب اشتہاری ادویہ سے بدظن ہون تو انہین مناسب ہے کہ صرف موازی چھ آنہ بابت اخراجات متفرق بھیجکر امتحاناً منگوائین اور بعد تجربہ مکمل شیشی کا آرڈر دین ہر چہ ترکیب استعمال پر چسپان ہے (مکمل پر نیز امتحاناً پر)

اکسیر الحیات

قیمت فی شیشی عہ علاوہ محصولڈاک و بکس

نوٹ نمبر ۲۔ چونکہ اس سے پیشتر چند جگہہ سے ایسی شیشیون کے متعدد پارسل واپس آئے جو امتحاناً بذریعہ وی پی تعدادی چھ آنہ روانہ کی گئی تھین جس سے کارخانہ کو نقصان برداشت کرنا پڑا لہذا اُس وقت سے چھ آنہ کے وی پی کا قاعدہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔ البتہ پارسل کی عدم رسی کی اطلاع ملنے پر مکرر بلکہ سہ کرر پارسل (اکسیر الحیات امتحاناً) روانہ کیا جائے گا۔ اور کسی قسم کا مطالبہ مزید نہین ہوگا

المشتہر

مرتاض حسین سالک۔ نوگزہ اسٹریٹ میرٹھ شہر